جماعت ہجرت کر کے آئی اور اسلام پر بیعت کا شرف حاصل کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان مبارک الفاظ کے ساتھ انہیں خراج تحسین پیش فرمایا: ''أتاكم أهلُ اليمنِ، هم أرقُّ أفئدةً وألينُ قلوبًا، والحكمةُ يمانيةٌ'' [صحيح البخاري ح:٤١٢٧] ''آپ لوگوں کے پاس یمن والے حاضر ہوئے ہیں، وہ خوب نرم دل اور نرم خو ہیں، اور حکمت ہی یمن والی ہے۔''

دوسری احادیث شریفہ میں ان کے شوقِ حصول علم کی تائید میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: ''الفقهُ يمانٍ والحكمةُ يمانيةٌ والإيمانُ يمانٍ'' [البخاري ح:٤١٢٩] ''فقاہت یمنی ہے، حکمت یمنی ہے اور ایمان بھی یمنی ہے۔'' یعنی ملک یمن علم، حکمت اور ایمان کا گہوارہ ہے۔

غالبًا انہی اوصاف کا ثمرہ ہے کہ اس ملک میں مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی خوب قائم رہی ہے۔ اور یہی وہ اوصاف ہیں جن کا کسی اسلامی ملک میں پایا جانا دشمنانِ اسلام کے ہاں پہلے مقبول تھا نہ اب گوارا ہے۔

یمن ایک آزاد وخودمختار اسلامی جمہوری ملک ہے۔ اس وقت اس ملک کی آبادی ڈھائی کروڑ اور رقبہ ساڑھے پانچ لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ اس ملک کی 1800 کلومیٹر طویل ریگستانی سرحد مملکت سعودی عرب سے ملتی ہے، جہاں سے سعودی عرب آمدورفت روکنا محال ہے۔ اس لیے اس ملک کا امن واستحکام حرمین شریفین کی سرزمین کے تحفظ کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

کیونکہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں حرمین شریفین کی اسلامی فلاحی ریاست کو توحید وسنت کے دشمنوں سے خطرہ تھا، اسی طرح آج کے دور میں بھی دنیا میں ہر طرف اس کے خفیہ واعلانیہ دشمنوں کی بہتات ہے۔ کسی کو یہاں نافذ اسلامی نظام سے چڑ ہے، کسی کو اس کی ''امداد'' بھی برداشت نہیں، کسی کی نگاہ اس ملک کی مضبوط اقتصادی حالت پر اٹھتی ہے، کسی کو یہاں مغربی جمہوریت کا فتنہ برپا کرنے کی تمنا ہے......

زیر درس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ نبویہ کے اردگرد پرامن مسلم آبادی کے وجود کو حرمین شریفین کی سرزمین کی حفاظت کے لیے ضروری خیال فرمایا؛ اسی طرح یمن اور دیگر پڑوسی ممالک میں امن وامان کی فراوانی سعودی عرب اور خصوصاً امت اسلامیہ کے روحانی مراکز حرمین شریفین کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔

سنت و بدعت

ماہ شعبان المعظم کے فضائل اور بدعات

میاں انوار اللہ/عبدالرحیم روزی

شعبان المعظم کی صحیح فضیلت وسنت پر بدعات اور آئے روز نئے نئے اعمال کی دبیز تہ چڑھ جانے کی وجہ سے اپنی اصلی شکل کھو بیٹھا ہے۔اس مضمون میں یہ عاجزانہ کوشش کی گئی ہے کہ احادیث پاک کی روشنی میں اس کی اصلیت اور حقیقت اجاگر کی جائے۔

اس حوالے سے درج ذیل عنوانات پر گفتگو کی جائے گی: [1] ماہ شعبان کے عمومی روزے۔[2] نصف شعبان کے بعد روزے۔[3] نصف شعبان کی فضیلت میں صحیح احادیث۔[4] نصف شعبان کی فضیلت میں ضعیف احادیث۔[5] نصف شعبان کی شب بیداری اور علماء کا موقف۔[6] یہ کس قسم کی بدعت ہے؟(7) سنت اور بدعت:نصوص اور اقوال علماء کی روشنی میں۔

ماہ شعبان کے عمومی روزے:

سید المرسلین وخاتم النبیین ﷺ کا اس ماہِ مبارک میں معمول یہ تھا کہ آپ بکثرت روزہ رکھا کرتے تھے۔اس حوالے سے چند احادیث ملاحظہ کیجئے:

۱۔ حضرت عائشہ رضي الله عنہا فرماتی ہیں:''نبی کریم ﷺ روزہ رکھتے جاتے تھے،حتی کہ ہم کہتے کہ اب آپ روزے نہیں کھولیں گے۔پھر کبھی آپ ﷺ روزے نہ رکھتے،حتیٰ کہ ہم کہتے کہ آپ روزے نہیں رکھیں گے۔اور میں نے آپ ﷺ کو کسی مہینے کا مکمل روزہ سوائے رمضان کے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔اور شعبان سے بڑھ کر کسی اور مہینے میں زیادہ روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' [البخاری الصیام باب صوم شعبان ح: ۱۹۶۹، مسلم الصیام باب ۳٤ ح: ۱۱۵٦]

۲۔ ام المؤمنین عائشہ رضي الله عنہا فرماتی ہیں:''آپ ﷺ پورے شعبان کا روزہ رکھتے تھے۔''[البخاری ح:۱۹۷]

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ ان دونوں احادیث میں بظاہر پائے جانے والے تعارض کو بایں الفاظ دور کرتے ہیں کہ ''کلام عرب میں جائز ہے کہ اگر کوئی مہینے کے اکثر ایام کا روزہ رکھے،تو کہا جاتا ہے کہ اس نے پورے ماہ کا روزہ رکھا...... [جامع الترمذی] علامہ ابن حجر کہتے ہیں:''المرادُ بالكلِ الأكثرُ''کل سے مراد اکثر ہے۔''[فتح الباری] نیز لوگ اکثریت کے لیے''کل''کا حکم دیتے ہیں۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ روزہ رکھتے تھے اور کھولتے نہیں تھے،حتی کہ ہم کہتے کہ آپ ﷺ امسال

روزہ کھولنا ہی نہیں چاہیں گے۔ پھر آپ روزہ کھولتے چلے جاتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ آپ امسال روزہ رکھنے کا ارادہ نہیں کریں گے۔ وکانَ أحبَّ الصومِ إليه في شعبانَ'' کہ شعبان کا روزہ آپ کو خوب پسند تھا۔[مسند احمد، شیخ البانی نے صحیح ترغیب وترہیب میں حسن قرار دیا ہے۔]

۴۔ حضرت اسامہ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو جتنے شعبان میں روزہ رکھتے ہوئے دیکھا ہے کسی دوسرے مہینے میں نہیں پایا؟ فرمایا: یہ ایسا مہینہ ہے جس میں لوگ اس سے غفلت برتتے ہیں، رجب اور رمضان کے درمیان۔ اور یہ ایسا مہینہ ہے جس میں اعمال رب العالمین کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال روزے کی حالت میں اٹھائے جائیں۔'' [مسند احمد، نسائی، شیخ البانی نے صحیح ترغیب میں حسن قرار دیا ہے۔]

۶۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو مسلسل دو مہینے کے روزے سوائے شعبان اور رمضان کے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' [ترمذی، ابوداؤد، صحیح ترغیب ترھیب] اس حدیث پر وارد اشکال کا جواب حضرت عبداللہ بن مبارک کے کلام میں گزر چکا ہے۔ امام ابن المنیر نے توفیق کی کوشش میں کہا: لفظ ''کل'' کو متقدم پر جبکہ لفظ'' أکثر'' کو متأخر پر محمول کیا جائے گا۔

نصف شعبان کے بعد روزے:

حضرت ابوہریرہ ؓ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب شعبان کا آدھا ہو جائے تو روزے مت رکھا کرو۔''

حدیث کا درجہ: پہلا قول: امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ شارح مبارکپوری، شیخ ارناؤط اور شیخ البانی نے آپ کی موافقت کی ہے۔

اس بنیاد پر روزہ رکھنے کا کیا حکم ہوگا؟ شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کہتے ہیں کہ نہی سے مراد نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنے سے متعلق ہے، اگر کسی نے تمام یا اکثر حصے کا روزہ رکھا تو اس نے سنت نبویہ کو پالیا۔[مجموع فتاویٰ ۳۸۵/۱۵]

دوسرا قول: امام احمد، یحیٰ بن معین: یہ حدیث منکر ہے۔ اس حدیث کو ضعیف قرار دینے والے علماء کے نزدیک اس حکم پر عمل کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا نصف شعبان کے بعد بھی نفلی روزہ رکھنا جائز ہے۔ [تحفة الأحوذی]

شیخ محمد صالح عثیمین: اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو بھی جائے تو نہی کراہت کے لیے ہے، سوائے ان کے جن کا روزہ رکھنا ان ایام میں عادت ہو۔ وہ بلا کراہت روزہ رکھ سکتے ہیں۔[شرح ریاض الصالحین ۳۹۴/۳]

نصف شعبان کی فضیلت میں صحیح یا اختلافی احادیث:

۱۔ حضرت ابوثعلبہ خشنی سے روایت ہے کہ جب شعبان کا آدھا حصہ ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف جھانکتا ہے۔ پس مؤمنین کو معاف کرتا اور کافروں کو ڈھیل دیتا ہے۔ اور آپس میں کینہ والوں کو کینہ ترک کرنے تک چھوڑ دیتا ہے۔'' [طبراني، بيهقي] شیخ ناصر الدین البانی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن کے درجہ تک پہنچتی ہے، اور اس کی تائید معاذ، عبداللہ بن عمرو، ابوموسیٰ، ابوہریرہ، ابوبکر، عوف اور عائشہ ؓ کی روایات کرتی ہیں۔ [صحيح الجامع ح: ۷۸۳، سلسلة الأحاديث الصحيحة ح:۱۱۴۳]

۲۔ حضرت معاذ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ شعبان کی آدھی رات کو اپنی مخلوق کی طرف جھانکتا ہے، پھر تمام مخلوق کو سوائے مشرک اور کینہ پرور کے معاف کرتا ہے۔'' [طبراني كبير ح: ٦٦٣٩، صحيح ابن حبان ح: ١٩٨٠، صحيح الترغيب] شیخ مبارکپوریؒ نے شرح ترمذی میں ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

اگر یہ حدیث صحیح ہو، تو اس حدیث میں موجود بیانات اور خبریں بالکل درست ہوں گی؛ لیکن اس سے یہ لازم ہرگز نہیں آتا کہ اس رات کو لوگوں کے لیے اجتماعی تقریبات اور من پسند اعمال کرنے کا موقع بنایا جائے۔ احادیث نبویہ کھنگال کر بھی مروجہ اعمال ثابت نہیں ہوتے۔ ہاں ان احادیث میں یہ انتباہ ضرور ہے کہ لوگ شرک جیسی لعنت سے باز آجائیں اور آپس میں منفی بیان بازی اور فرقہ واریت کو ہوا دے کر بغض وکینہ پیدا کرنا بند کریں۔ [دیکھیے: إصلاح المساجد للالبانیؒ ص:۹۹]

نصف شعبان کے بارے میں ضعیف یا موضوع روایات:

۱۔ حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب نصف شعبان کی رات ہو تو تم لوگ اس کی رات کو جاگو (نوافل ادا کرو) اور دن کو روزے رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ غروبِ آفتاب کے وقت آسمان دنیا کی طرف نزول فرما کر ارشاد فرماتا ہے: ''ہے کوئی مجھ سے معافی مانگنے والا؟ کہ میں اسے بخش دوں! ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق فراہم کروں؟ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اسے عافیت دوں؟ یہ سلسلہ طلوع فجر تک جاری رہتا ہے۔'' [سنن ابن ماجه باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان ح:۱۳۸۸]

حدیث کا درجہ: امام بخاری نے ضعیف قرار دیا ہے۔ عقیلی نے کتاب ضعفاء کبیر میں اور کتانی نے تنزيه الشريعة عن الأحاديث الشنيعة والموضوعة میں تذکرہ کیا ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔

حافظ ابوشام مقدسی: علمائے جرح وتعدیل کے نزدیک پندرہویں شعبان کی رات کی فضیلت میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔[الباعث علی انکار البدع والحوادث ص ۵۲]

۲۔ حضرت علی ﷺ سے مرفوع روایت ہے: ''جو کوئی نصف شعبان کی رات کو سو رکعت نماز ایک ہزار ﴿قل ھو اللہ احد﴾ کے ساتھ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی ہر ضرورت پوری فرمائے گا، جو اس نے اس رات میں طلب کی ہے۔ اور ستر ہزار حور عین دے گا، ہر حور کے ساتھ ستر ہزار غلام اور ستر ہزار خدام ہوں گے۔''[العلل المتناهية في الأحاديث الواهية]

امام ابن الجوزیؒ: اس کے اکثر رواۃ نا معلوم الحال قسم کے لوگ اور ضعفاء ہیں۔

امام ذہبیؒ: یہ من گھڑت حدیث ہے۔[تنزيه الشريعة] ابن القیمؒ: اسے اسلام میں چوتھی صدی کے بعد وضع کیا گیا۔ اور بیت المقدس سے اس کا جنم ہوا۔ نیز ملاحظہ کیجئے: [المنار المنيف فی الصحيح والضعيف، اللآلی المصنوعة]

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک رات میں نے نبی ﷺ کو گم پایا، چنانچہ میں نکلی تو آپ ﷺ بقیع قبرستان میں سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔ مجھ سے ارشاد فرمایا: ''کیا تو نے یہ خوف کھایا کہ اللہ تجھ پر ظلم کرے گا اور اس کا رسول (ﷺ) بھی؟'' میں نے عرض کیا: اے رسول اللہ! میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ آپ بعض ازواج مطہرات کے ہاں چلے گئے ہوں گے۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی آدھی رات کو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور بنو کلب کے بھیڑ بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔'' [سنن الترمذی]

حدیث کا درجہ: امام ترمذی: یہ حدیث غیر معروف ہے۔ میں نے امام بخاری کو اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے سنا ہے۔ دارقطنی: اس کی سند مضطرب اور غیر ثابت ہے۔ دیکھئے:[العلل المتناهية]

نوٹ: نبی ﷺ کا رات کو بقیع میں دعا کرتے ہوئے پانے کا واقعہ صحیح مسلم وغیرہ میں ملتا ہے؛ لیکن اس میں کہیں بھی نصف شعبان کی رات کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا یہ فقرہ کہ ''اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔'' کے الفاظ غیر محفوظ ہیں۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی طرف اس کی نسبت فنی طور پر اعتبار واعتماد سے خالی ہے۔ اس موضوع پر اور بھی احادیث ضعیف نوعیت کے ہیں، جنہیں اس فن کے نقاد علماء نے جرح کر کے ضعیف قرار دیا ہے۔ جن کی تفصیل مذکورہ بالا کتابوں میں موجود ہے۔

''**رحمت الٰہی کس قدر جوش میں ہے**'' اس کا اندازہ اس ضعیف حدیث میں جس قدر بیان کیا گیا ہے، اس سے **354**

گنا زیادہ فضل الٰہی کا ثبوت اعلیٰ درجے کی صحیح حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ینزلُ ربُّنا - تبارکَ وتعالی - کلَّ لیلةٍ إلی السماءِ الدنیا حینَ یبقَی ثلثُ اللیلِ الآخرُ یقولُ: من یدعونی فأستجیبَ لهُ، من یسألُنی فأعطیَهُ، من یستغفرُنی فأغفرَ لهُ" [صحیح البخاري ح:١٠٩٤، ٥٩٦٢، ٧٠٥٦، صحیح مسلم ح:١٨٠٨، ١٨١١]

"بابرکت اور بلند اللہ ہر روز دنیاوی آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے، جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے: "کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں اس کی دعا قبول فرماؤں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ میں اسے عطا فرماؤں؟ کون ہے جو مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے کہ میں اسے معاف فرماؤں!؟"

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک کمزور حدیث کے سہارے سال میں ایک رات تقریب مناکر مست رہنے کے بجائے ہر شب تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے اپنے بے حد مہربان رب کی مہربانیوں، بے حد فضل وکرم والے معبودِ برحق کے جود وسخا، بے حد مغفرت والے اللہ کی مغفرت وبخشش کو سمیٹنے کا عزم صمیم کرلیں۔

اس شرف کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے سونے جاگنے میں بھی سنت نبوی کی پابندی کریں۔ پیارے رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا: "وکانَ یکرهُ النومَ قبلَها والحدیثَ بعدَها" [صحیح البخاري ح:٥٢٢، ٥٧٤]

"آپ ﷺ نمازِ عشاء سے پہلے سو جانے سے کراہت فرماتے اور عشاء کے بعد باتیں کرتے رہنے کو ناپسند کرتے تھے۔"

اس صحیح حدیث شریف پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ نمازِ فجر سے مناسب وقت پہلے الارم لگا کر جاگ اٹھیں اور رب العالمین کے حضور سربسجود ہو کر اپنے تمام دنیاوی واخروی حاجات پیش کر کے الحاح وزاری کریں۔ وہ ذات نہایت کریم ہے، اگر بندہ حرام خوری یا کسی بڑی رکاوٹ کے بغیر یہ عمل انجام دے، تو ضرور اس کی مشکلات دور ہوں گی اور بندہ اپنے رب کی رحمتوں سے مالا مال ہو جائے گا۔

نصف شعبان کی شب بیداری اور علماء کا موقف:

اس رات کی عبادت وریاضت کے بارے میں علماء کے موقف کچھ اس طرح ہیں:

پہلا موقف: اس رات میں خوب عبادت کی جائے۔ ابن الصلاح، خالد بن معدان، مکحول رحمہم اللہ کا موقف یہی تھا کہ اس رات کی شب بیداری مستحب ہے۔ [هدایة الحیران إلی حکم لیلة النصف من شعبان ص١٢]

دوسرا موقف: اس رات میں کوئی بالخصوص عبادت، شب بیداری وغیرہ ثابت نہیں ہے۔ اس بابت وارد روایات ضعیف یا موضوع ہیں۔ لہٰذا اس کمزور بنیاد پر ادا کی جانے والی عبادتیں اور ریاضتیں خلاف سنت ہیں۔ یہ نقطہ نظر عطاء بن ابی رباح تابعیؒ، امام نوویؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابوشامہ مقدسیؒ، ابن رجب حنبلیؒ، عبدالرحمٰن بن ابی ملیکہؒ، عزالدین بن عبدالسلامؒ، علامہ محمد رشید رضاؒ، علامہ محمد صالح عثیمینؒ، علامہ ابن بازؒ و دیگر بیشمار علمائے امت کے ہیں۔

اب تک جن عبادات کو خلافِ سنت کہا گیا یا ان کے بدعت اور مشروع ہونے کی بحث تھی، وہ عبادات تھیں، جن کا ذکر ضعیف یا موضوع روایات میں آیا تھا۔ مگر وہ نت نئی رسوم ورواج جو ان روایات میں بھی مذکور نہیں؛ لوگوں میں رائج ہو چکی ہیں۔ مکحولؒ، زیاد نمیریؒ، خالد بن معدانؒ وغیرہ جو اس رات شب بیداری کے قائل ہیں، وہ بھی ان اعمال اور رسوم کے قائل ہرگز نہیں تھے۔ ان میں سے کچھ اعمال تو خود ہماری زندگی میں وجود میں آئے ہیں۔ فاللہ المستعان

یہ کس قسم کی بدعت میں شامل ہے؟ جن علماء و محققینؒ کے نزدیک اس رات کی شب بیداری اور خصوصی عبادتیں خلافِ سنت ہیں۔ ان کے نزدیک یہ بدعت اضافیہ ہے۔ اور اس قسم کی بدعت میں دو امکانات ہوتے ہیں:

پہلا: اس کے لیے دلائل سے کچھ نسبت و تعلق ہو۔ اس لحاظ سے وہ بدعت نہیں ہوتی، بلکہ جائز ہوتی ہے۔

دوسرا: دلیل شرعی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ بدعت حقیقی ہے، جو کتاب وسنت کی رو سے ثواب کا کام نہیں ہے۔

ان دونوں کے مابین معنی کے لحاظ سے فرق اور وضاحت یہ ہے کہ اس بدعت پر اصل کے اعتبار سے کوئی دلیل قائم ہے؛ لیکن کیفیات، احوال اور تفاصیل کے اعتبار سے دلیل وثبوت سے عاری ہے۔ حالانکہ ان دلائل کی اشد ضرورت تھی اور اس کے بیان میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ اس کی مثال نصاریٰ کی رہبانیت، نماز کی شرائط پورے کیے بغیر نماز پڑھنا، روزے میں وصال کرنا، نماز سے سلام پھیرنے کے بعد بالالتزام اجتماعی دعا کرنا وغیرہ ہے۔

اصل میں زہد وتقویٰ، نماز، روزہ، دعا وغیرہ تو ثابت ہے اور کتابِ الٰہی وسنت نبوی میں ان کی ترغیب دی گئی ہے؛ مگر بندہ جب کسی امتی کی طرف سے مقرر کردہ قیود وحدود کو بلا دلیل تسلیم کر کے ان کی پابندی کرتا ہے، تو بدعت اضافیہ بن جاتا ہے۔ جبکہ بدعت حقیقی یہ ہے کہ سرے سے ہی اس کی کوئی دلیل شرعی یا معتبر استدلال نہ ہو۔ اس قسم کو اس لیے بدعت کہا گیا کہ کسی سابق نظیر پر اس کی بنیاد نہیں؛ بلکہ یہ سراسر نئی ایجاد ہے۔ [کتاب الاعتصام الباب الخامس فی احکام البدع الحقیقیة والإضافية] اسی طرح یہاں زیر بحث چیز میں اصل عباداتیں روزہ، نماز، تلاوت اور صدقہ وخیرات وغیرہ تو دین اسلام میں